

دہلیز ۴

کمپنی تو صرف ابتدا تھی

کئی برس تک میں سمجھتا رہا کہ میں ایک کیریئر بنا رہا ہوں۔

یہ ایک معقول یقین تھا۔

ہر صبح میں کام کے لیے اٹھتا تھا۔

ہر ہفتے کے اہداف تھے۔

ہر مہینے کے نتائج تھے۔

ہر سال کا ایک حساب تھا۔

ہر چیز اس خیال کی تصدیق کرتی لگتی تھی کہ کہانی کا مرکز کام ہے۔

پھر وقت آیا۔

اور وقت نے، ہمیشہ کی طرح، ہر چیز کو اس کی جگہ پر رکھنے کا کام سنبھال لیا۔

آج پیچھے مڑ کر دیکھوں تو مجھے اعداد اتنے یاد نہیں جتنے لوگ یاد ہیں۔

مجھے اعداد و شمار اتنے یاد نہیں جتنی گفتگوئیں یاد ہیں۔

مجھے طریقہ کار اتنے یاد نہیں جتنے فیصلے یاد ہیں۔

یہ ایک حیران کن دریافت ہے۔

ہم ساری عمر یہ سمجھتے گزار دیتے ہیں کہ قدر ڈھانچوں میں ہے۔

پھر ہم پر کھلتا ہے کہ قدر ان انسانوں میں چھپی تھی جو ان ڈھانچوں سے گزرے۔

میں ایک ایسی دنیا میں داخل ہوا جس کے قواعد واضح تھے۔

صاف اہداف۔

اونچے معیار۔

وہ ضبط کا تقاضا کرتی تھی۔

وہ ذمہ داری مانگتی تھی۔

وہ شارٹ کٹ کے لیے زیادہ گنجائش نہیں دیتی تھی۔

وہ ایک سخت ماحول تھا۔

اور وہ خوش قسمتی تھی۔

کیونکہ ضبط احترام کی ایک صورت ہے۔
سب سے پہلے اپنے آپ کے لیے۔
ہم ایسے دور میں جیتے ہیں جو مسلسل ٹیلنٹ کا جشن مناتا ہے۔
میں نے کسی اور چیز کا احترام کرنا سیکھا۔
مستقل مزاجی۔
ٹیلنٹ ایک دروازہ کھول سکتا ہے۔
مستقل مزاجی آپ کو راہداری پار کرنے دیتی ہے۔
بہت سے ذہین لوگ غائب ہو جاتے ہیں۔
بہت سے عام لوگ اس کے برعکس غیر معمولی کام کھڑے کر دیتے ہیں۔
فرق شاذ و نادر ہی ذہانت کا ہوتا ہے۔
اکثر یہ تسلسل کا ہوتا ہے۔
دن بہ دن۔
فیصلے کے بعد فیصلہ۔
ذمہ داری کے بعد ذمہ داری۔
وہیں سے میں ایک بنیادی بات سمجھنے لگا۔
کوئی تنظیم دراصل عمارتوں سے نہیں بنتی۔
وہ لوگوں سے نہیں بنتی۔
وہ نعروں سے نہیں بنتی۔
وہ ان رویوں سے بنتی ہے جو وقت کے ساتھ دہرائے جاتے ہیں۔
ہر کمپنی کے پاس ایک نظر آنے والی ثقافت ہوتی ہے اور ایک نظر نہ آنے والی۔
پہلی بروشرز میں دکھائی دیتی ہے۔
دوسری تب سامنے آتی ہے جب کوئی نہیں دیکھ رہا ہوتا۔
جب کوئی مسئلہ آ جائے۔
جب کوئی گاہک ناخوش ہو۔
جب کوئی نتیجہ نہ نکلے۔
جب کوئی بحران دروازہ کھٹکھٹائے۔

اسی لمحے میں پتہ چلتا ہے کہ اصل میں کیا اہم ہے۔
برسوں میں نے دباؤ میں مردوں اور عورتوں کو دیکھا۔
کچھ بالکل بدل گئے۔
کچھ نے اپنا بہترین ظاہر کیا۔
اور انہی لمحوں میں میں نے سیکھا۔
کامیابیوں سے نہیں۔
ردعمل سے۔
کیونکہ کسی شخص کی اصل شناخت آسان دنوں میں شاذ و نادر ہی سامنے آتی ہے۔
وہ تب ظاہر ہوتی ہے جب کوئی چیز ٹوٹتی ہے۔
جب منصوبہ ناکام ہوتا ہے۔
جب تحفظ ختم ہو جاتا ہے۔
جب صرف کردار باقی رہتا ہے۔
میری زندگی کے کئی اہم ترین سبق کسی کلاس روم سے نہیں آئے۔
وہ کسی کتاب سے نہیں آئے۔
وہ روزمرہ کی ملاقاتوں سے آئے۔
ساتھ کام کرنے والوں سے۔
گاہکوں سے۔
ایسے لوگوں سے جنہوں نے شاید کبھی سوچا بھی نہ ہو گا کہ وہ کچھ سکھا رہے ہیں۔
زندگی اکثر اسی طرح کام کرتی ہے۔
سب سے اہم استاد خود کو استاد کہہ کر پیش نہیں کرتے۔
وہ بس ہمارے سامنے جیتے ہیں۔
اور ان کا کچھ حصہ باقی رہ جاتا ہے۔
برس گزرے تو میں نے سفر کرنا شروع کیا۔
مختلف ملک۔
مختلف ثقافتیں۔
مختلف زبانیں۔

شروع میں میں فرق ڈھونڈتا تھا۔
یہ فطری تھا۔
ہر ملک کی اپنی ایک شخصیت لگتی تھی۔
ایک رفتار۔
ایک منطق۔
ایک حس۔
پھر کچھ ہوا۔
میں مشاہدیں دیکھنے لگا۔
ایک باپ جو اپنے بچوں کے مستقبل کی فکر میں ہے۔
ایک ماں جو قربانی دینے کو تیار ہے۔
ایک نوجوان جو خود کو ثابت کرنے کو بے چین ہے۔
ایک مزدور جو عزت مانگتا ہے۔
ایک بوڑھا جو چاہتا ہے کہ اسے سنا جائے۔
محلی وقوع بدلتا رہا۔
انسان حیرت انگیز حد تک ویسا ہی رہا۔
تب مجھے سمجھ آنے لگا کہ کمپنی محض کام کی جگہ سے کہیں بڑھ کر تھی۔
وہ ایک کھڑکی تھی۔
وہ مجھے دنیا دیکھنے دے رہی تھی۔
ان حقیقتوں میں داخل ہونے دے رہی تھی جنہیں میں ورنہ کبھی نہ جانتا۔
یہ سمجھنے دے رہی تھی کہ جغرافیہ انسانوں کو اتنا الگ نہیں کرتا جتنا وہ سمجھتے ہیں۔
ہر سفر نے کچھ نہ کچھ جوڑا۔
ہر ملاقات نے ذہن کی ایک سرحد ہٹا دی۔
ہر تجربے نے ایک تعصب گرا دیا۔
اور بغیر جانے میں کام سے بھی بڑا ایک سبق سیکھ رہا تھا۔
انسان ہر نظام سے پہلے آتا ہے۔
ہمیشہ۔

حکمتِ عملی بدلتی ہے۔

بازار بدلتے ہیں۔

ٹیکنالوجی بدلتی ہے۔

نسلیں بدلتی ہیں۔

لیکن بھروسہ باقی رہتا ہے۔

احترام باقی رہتا ہے۔

دیا ہوا لفظ باقی رہتا ہے۔

یہ ایسے سکے ہیں جن کی قیمت کبھی نہیں گرتی۔

جب میں اپنی زندگی کے اس دور کو یاد کرتا ہوں تو اسے صرف ایک پیشہ ورانہ راستہ نہیں سمجھتا۔

میں اسے ایک انسانی تربیت سمجھتا ہوں۔

ایک تجربہ گاہ۔

ایک غیر رسمی مدرسہ جس میں ہر دن دنیا کی سمجھ میں ایک تفصیل جوڑ جاتا تھا۔

اسی لیے آج میں مسکراتا ہوں جب کوئی کیریئر کو عہدوں کی ایک فہرست بنا دیتا ہے۔

عہدے عارضی ہیں۔

سبق باقی رہتے ہیں۔

لوگ باقی رہتے ہیں۔

تبدیلیاں باقی رہتی ہیں۔

آخر میں میں اپنے ساتھ کوئی تنظیمی خاکہ نہیں لے جاتا۔

میں اپنے ساتھ کوئی منصب نہیں لے جاتا۔

میں اپنے ساتھ کوئی خطاب نہیں لے جاتا۔

میں اپنے ساتھ سینکڑوں چہرے لے جاتا ہوں۔

ہزاروں گفتگوئیں۔

عام لوگوں سے ملے ان گنت سبق۔

اور سب سے بڑھ کر ایک یقین۔

کمپنی اہم تھی۔

بہت اہم۔

اس نے مجھے بنایا۔

اس نے مجھے آزمایا۔

اس نے میرے لیے ایسے راستے کھولے جن کا میں کبھی تصور بھی نہ کرتا۔

لیکن وہ آخری لکیر نہیں تھی۔

وہ نقطہ آغاز تھی۔

کیونکہ کام نے مہارت بنائی۔

دنیا نے شعور بنایا۔

اور اصل کہانی، وہ جو آہستہ آہستہ میرے اندر شکل لے رہی تھی، ابھی شروع ہونا باقی تھی۔